ہندوستان میں تعزیہ داری

پروفیسر سید جعفر رضا☆

عزاداری اور تعزیہ داری کی اصطلاحیں حسینی انقلاب کے مختلف و متنوع پہلوؤں کی نشرواشاعت کے لئے مخصوص ہوگئی ہیں۔ ان کی بدولت آج تاریخ اسلام کا ادنیٰ سا طالب علم بھی حسینی انقلاب کے آثار و اثرات سے کچھ نہ کچھ واقف ہے۔ بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ جہاں جہاں عزاداری ہوتی ہے، ان علاقوں، ملکوں اور قوموں کے ناخواندہ افراد بھی امام حسینؑ اور ان کے کارناموں سے کسی حد تک روشناس ہیں۔ عزاداری اور تعزیہ داری کی مختلف ممالک میں متنوع کمیت و کیفیت ہے۔ مثلاً ذریعۂ عزاداری روضہ خوانی اور اس کی ڈرامائی پیش کش کو ایران میں تعزیہ کہتے ہیں جبکہ بحرین میں جلوس عزا کو تعزیہ کہتے ہیں۔ لبنان میں عزاداری کو تعزیہ یا ذکرہ کہتے ہیں۔ ہندوستان (بلکہ برصغیر ہند) میں عزاداری کی اصطلاح حسینی انقلاب کے تمام اہم پہلوؤں کی نشرواشاعت پر محیط ہے اور تعزیہ روضہ امام حسینؑ کی شبیہہ کے لیے مخصوص ہے، جو عام طور پر جلوس عزا میں برآمد کیا جاتا ہے۔ تعزیہ یا شبیہہ کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔ تعزیہ، تعزیہ دار کے ذوق و مزاج اور مقامی رسم و رواج کے اعتبار سے تیار کیا جاتا ہے۔

ہندوستانی عزاداری کی اہم ترین انفرادیت اس کا سیکولر کردار ہے۔ یہ شیعوں تک محدود نہیں ہے۔ حالانکہ دنیا کے تمام شیعوں کی طرح ہندوستانی شیعوں کے لیے عزا داری مآل زندگی ہے۔ ہندوستانی عزاداری کی عوامی مقبولیت شیعوں کے پہلو بہ پہلو سنیوں کی بدولت ہے۔ تمام ملک میں بالخصوص شمالی ہند میں چھوٹے چھوٹے گاؤں، قصبوں اور شہروں میں مذہبی جوش و خروش سے عشرہ محرم کے درمیان جلوس عزا منعقد ہوتے ہیں، جن میں تعزیے برآمد کیے جاتے ہیں۔ دور دراز میں پھیلی ہوئی ان بستیوں میں خال خال ہی شیعہ آباد ہیں بلکہ ان میں اکثر بستیاں تو شیعوں سے خالی ہیں لیکن پوری بستیاں انتہائی اہتمام سے عزاداری کرتی ہیں۔ سال بھر اپنی جائز کمائی سے زیادہ سے زیادہ رقم لوگ یکجا کرتے ہیں اور عشرہ محرم میں صرف کرتے ہیں۔ شہر و ضلع الہ آباد کے متعلق پورے

☆ شعبۂ اردو، الہ آباد یونیورسٹی، الہ آباد

اعتماد سے کہا جا سکتا ہے کہ عشرہ محرم و چہلم کی تعزیہ داری کی ۸۰ فیصد شان و شوکت اہل تسنن کی مساعی جمیلہ کی بدولت ہے۔ ہندوستانی عزاداری میں اردو مرثیے کلیدی کردار کے حامل ہیں۔ اردو مراثی کی ابتداء کی تاریخ پر نظر کریں تو اردو کا اولین مرثیہ نگار شیعہ نہیں ہے، بلکہ اولین شہادت نامہ سنی عقائد کے شاعر اشرف بیابانی کا نوسر ہار ہے، جو ۹۰۹ھ ۱۵۰۳ء کی تصنیف ہے۔ شمالی ہند کا اولین مرثیہ نگار روشن علی سہارنگ پوری ہے، جس کا 'عاشورنامہ' ۱۶۸۸ء کی تصنیف ہے۔ فقط مسلمانوں نے ہی نہیں بلکہ ہندوؤں نے بھی مرثیہ نگاری میں بلند مرتبہ حاصل کیا ہے جس کی سب سے روشن مثال منشی چھنولعل دلگیر ہیں۔ دیگر ہندو مرثیہ نگاروں میں کنور سین مضطر، راجہ الفت رائے الفت، لالہ نانک چند نانک، روپ کنواری اور نتھو لال وحشی وغیرہ کے نام آتے ہیں۔

ہندوؤں کی عزاداری کے بیان میں حسینی برہمنوں کا ذکر ناگزیر ہے۔ جنوری ۱۹۹۰ء میں ایک اخباری مباحثہ میں کسی نے حسینی برہمنوں کے وجود سے انکار کیا تھا۔ اس پر برہم ہوکر مشہور اردو صحافی جمناداس اختر نے اپنا مندرجہ ذیل بیان جاری کیا تھا۔

''میرا تعلق موہیالوی کی (ست) ذات سے ہے اور ہمیں حسینی برہمن کہا جاتا ہے۔ عاشورہ کے روز ہم لوگ سوگ مناتے ہیں۔ کم از کم میرے خاندان میں اس دن کھانا نہیں کھایا جاتا ہے۔ سری نگر کے امام باڑہ میں حضرت امام حسینؓ کا موئے مبارک موجود ہے، جو کابل سے لایا گیا ہے۔ ایک حسینی برہمن اسے سو سال قبل کابل کے امام باڑے سے لایا تھا''۔[1]

حسینی برہمنوں کا تفصیلی ذکر Sir Denzil Ibbepson نے اپنی کتاب A Glossary of Tribes and caste of Puriyas and north west frontier promices میں کیا ہے، جسے اس نے اپنے رفقاء کے ہمراہ ۱۸۸۸ء اور ۱۸۹۲ء کے درمیان مختلف دستاویزوں کی بنیاد پر تیار کیا تھا۔[2]

تعزیہ داری کے متعلق مولوی سید احمد دہلوی رقمطراز ہیں:

''یہ دستور صرف ہندوستان میں ہے۔ اس کی ابتداء اس طرح ہوئی تھی کہ جب تیمور گورگان اہلِ کوفہ کو قتل کرنے کے بعد کربلائے معلیٰ گیا تو وہاں سے کچھ تبرکات ایک پالکی میں رکھ کر نہایت ادب کے ساتھ لایا۔ جب سے لوگ اس طرح پر تعزیہ بنانے اور اسے اٹھانے لگے۔ ایک اور محقق نے تعزیہ کی ابتداء اس طرح بیان کی کہ تیمور لنگ صاحب قرآن حضرت سید الشہداء کا بڑا معتقد تھا، جب

۱- قومی آواز، دہلی ۲۸ جنوری ۱۹۹۵ء
2- Deenzil Ibbefson and other vol II

بایزید قیصر روم کو گرفتار کر چکا تو متبرک اور مقدس مقامات متعلقہ سلطنت روم جب اس کے قبضہ میں آ گئے تو وہ کربلائے معلیٰ گیا، حسبِ بشارت سید الشہداء کچھ تبرکات ملے۔ مثلاً ملبوس، رومال، اسے، تبرکاً ملے جنہیں محمل میں رکھ کر فوج کے آگے آگے لے کر چلا۔ خدا کی شان، جس طرف رخ کیا، ان تبرکات کی برکت سے وہیں فیض یاب ہوا۔ جب ہندوستان میں آیا تو محمل کے بجائے ہاتھی کی عماری پر رکھ کر اس ہاتھی کو سب سے آگے رکھنے لگا۔ ایک دفعہ اس کے وزیر نے بھی کسی جنگ کے موقع پر یہی عمل کیا اور فتح یاب ہوا۔ پس اس زمانہ سے رواج ہو گیا۔ چونکہ محرم کے موقع پر صاحب قرآن اس محمل کے پردے زیارت کے واسطے اٹھا دیتا تھا۔ پس تعزیہ داروں نے بھی وہی ترکیب و ترتیب اختیار کی۔ تبرکات کے بجائے سبز و سرخ تربتیں اندر رکھنے لگے''۔[1] اس کی تائید شہزادہ مرزا حیدر شیخ کے بیان سے ہوتی ہے جنہوں نے ان توزک'' کے ترکی مخطوطہ کے حوالہ سے تیمور کا بیان لکھا ہے۔

''جب میں کربلائے معلیٰ سے رخصت ہونے لگا تو غم و الم میں ڈوب گیا۔ اہلِ کربلا نے میری تسکینِ خاطر کے لئے ایک ضریح پیش کی جو روضۂ اقدس کی خاک پاک سے تیار کی تھی۔ میں نے کمالِ عقیدت مندی سے اسے قبول کیا اور ہمیشہ اپنے ساتھ ساتھ رکھا''۔[2]

ڈاکٹر اطہر عباس رضوی ان بیانوں سے شدید اختلاف رکھتے ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں:

۱۸ ویں اور ۱۹ ویں صدی کے مغل شہزادے، جنہوں نے شیعیت اختیار کر لی تھی، انہوں نے ان تصورات کو پھیلایا کہ ان کے مورثِ اعلیٰ تیمور نے، جو خود بھی شیعہ تھے، ہندوستان میں تعزیہ داری کی ابتدا کی۔ اس کی تائید میں تاریخی شواہد نہیں ملتے۔[3]

یہ خیال پوری طرح درست نہیں ہے، کیونکہ تیمور گورگان کے تعلق سے تاریخی شواہد موجود ہیں کہ وہ کربلا کے تبرکات کے ساتھ ہندوستان وارد ہوا۔ البتہ یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے کہ اس نے ہندوستان میں تعزیہ داری کی ابتدا کی۔ کربلا کے تبرکات کا ذکر اورنگ زیب عالم گیر کے ایک فرمان میں ملتا ہے کہ تیمور گورگان نے ۱۳۹۳ء میں فتح بغداد کے بعد کربلائے معلیٰ جا کر روضۂ امام حسینؑ کی زیارت کا شرف حاصل کیا تھا۔ وہاں اس نے بعض تبرکات حاصل کئے۔ ان میں رومال فاطمہ زہرا(ع) کا ایک

1- A Glossary of the Tribes and castes of Punjab

۲- بحوالہ سید سبط الحسن فاضل ہنسوی عزاداری کی تاریخ، ص ۴۸

3- Saiyed Athar Abbas Rizvi- A socio intellectual History of the other Ashain Shia's in India, Voll, p 295

پارچہ قبر حر بن یزید ریاحی سے اپنے ساتھ ہندوستان لایا۔ روایت ہے کہ اس پارچہ رومال کو امام حسین (ع) نے روزِ عاشورہ حر کے زخمِ سر پر باندھ دیا تھا اور خون بہنا رک گیا تھا۔ اس کا موجودہ سائز ڈھائی انچ بائی ڈھائی انچ ہے۔ مغلوں سے یہ پارچہ رومال نظام دکن کو حاصل ہوگیا۔ آخری نظام دکن، میر عثمان علی خاں نے عاشور خانہ، خلوت مبارک، کے توشہ خانہ میں تبرک اور فرمان شاہی سے محفوظ کرادیا ہے۔ اورنگ زیب کے فرمان کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''یہ عظیم تبرک حضرت فاطمہ زہرا کے قصابہ کا پارچہ ہے۔ حسینؑ نے اسے حر ابنِ یزید ریاحی کو کارزار کربلا میں عطا کیا تھا۔ امیر تیمور صاحب قرآن نے امام حسینؑ کی اجازت (بہ فیضان اعجاز) اور (مقامی) سادات کی منظوری کے بعد قبرِ حُر سے حاصل کیا۔ وہ (تیمور) اس تبرک کو ہندوستان لائے۔ سادات اور ان کے ورثاء جو اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ وہ موضع کردارہ کی مالگزاری کے بطور اس کے حقدار ہیں اور جب شہنشاہ جہانگیر (خلد مکانی) تخت نشین ہوئے تو اپنے بزرگوں کی طرح انہیں بھی اس تبرک سے اظہار عقیدت کی سعادت حاصل ہوگی۔ انہوں نے نگراں کی مددِ معاش میں اضافہ کیا۔

مابدولت (اورنگ زیب) نے قاضی الملک ملا احمد اور دیگر شہروں کے عالموں اور مفتیوں سے اس تبرک کے متعلق فتوے حاصل کیے۔ انہوں نے لکھا کہ تابوت سکینہ آلِ موسیٰ و ہارون کی روایت تھی۔ قرآنی آیت "اِنَّ اٰیَۃَ مُلْکِہٖ" (بے شک اس کے ملک کی نشانی.....الخ) اس حکایت کو بیان کرتی ہے۔ جگر گوشہ رسولؐ حضرت فاطمہؑ زہرا کے قصابہ کا پارچہ روحانی مرتبہ میں تابوت سکینہ سے افضل ہے۔ اس تبرک کے حامل افراد کو اللہ کی رحمت خاص، ذریعہ برکت اور فتح و کامرانی کی نشانی سمجھنا چاہئے۔ اللہ کی رحمت بے پایاں اس تبرک کے مالک کو حاصل رہے گی۔ جب مابدولت (اورنگ زیب) سربرآرائے سلطنت ہوئے اپنی خاندانی روایت کے اعتبار سے اس کو اپنا نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے لیے گئے۔ اس توفیق خاص کے لئے اللہ پاک کا شکر ادا کیا۔ اس موقع پر ہم نے اس کے نگراں کے منصب میں پانسو کا اضافہ کردیا۔ بخشی الممالک کو تاکید کردی گئی ہے کہ وہ تجدید فرمان کو عذر بنا کر سید کو اس عطیہ سے فیض یاب ہونے سے روک کر گناہ کے مرتکب نہ ہوں''۔[1]

۱- موجودہ نگراں مکرم بہادر ہیں۔ تبرک اور فرمان حفاظت کے ساتھ رکھا گیا ہے۔ ہر سال دو بار محرم اور چہلم میں زیارت کی اجازت ملتی ہے۔ ڈاکٹر صادق نقوی (شعبۂ تاریخ عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد) نے راقم کو بتایا کہ انہوں نے کئی بار زیارت کا شرف حاصل کیا ہے۔ سید خورشید علی (شعبۂ مخطوطات) سالار جنگ میوزیم، حیدرآباد، نے ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا کہ فخرالدین علی احمد اپنے زمانۂ صدارت میں حیدرآباد تشریف لائے تو ان تبرکات کی زیارت کے لیے خلوت مبارک بھی گئے۔ اندرون خلوت مبارک تبرکات کی زیارت سے ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ اپنے

عزاداری کے اولین نقوش

ہندوستان میں عزاداری کی ابتداء کب ہوئی، کس نے کی، اور کس طرح کی، واضح تاریخی سراغ، شواہد نہیں ملتے اگرچہ یہ یقینی ہے کہ دورِ خلافت علی ابن ابی طالب (۴۱-۳۵ھ/۶۶۱-۶۵۶ء) سندھی قوم جاٹ کے شیعان ملاۃ نے ہندوستان میں محبت و مودت اہل بیت کی فضا تیار کر رکھی تھی۔ حتیٰ کہ عوامی روایت کے اعتبار سے سندھ کے قوم 'دت' کے افراد جو ملک عرب میں سکونت پذیر تھے، سانحہ کربلا میں امام حسینؑ کی رفاقت کرتے ہوئے شہید راہ خدا ہوئے۔ بعد میں حکومت بنی امیہ نے دت قوم کے باقی بچے افراد کو سرزمین عرب سے ایران میں ڈھکیل دیا۔ ۲؎ اگرچہ موروثی علی، غوری حکمرانوں نے بنو امیہ کی دست درازیوں سے محفوظ رہتے ہوئے مودت اہل بیت کو اپنے سینوں سے لگائے رکھا۔ ۳؎ اگر اس امر کے تاریخی شواہد موجود ہیں کہ سندھی، مسلم علماء ائمۂ اہلِ بیت خصوصاً امام محمد باقرؑ اور امام صادقؑ کی خدمت میں باریاب تھے ۴؎ تو کس طرح ممکن ہے کہ انہوں نے عزائے امام حسینؑ میں شرکت نہ کی ہو؟ مزید یہ کہ سندھ و پنجاب کے علاقوں میں اہلِ تشیع کی نوآبادیوں کا قائم ہونا، سندھ کے گورنروں کا بنی فاطمہ کی حکومت قائم کرنے میں اپنی جانوں کو قربان کرنا، اہلِ پنجاب و سندھ کی شیعی نوآبادیوں کا فاطمین مصر سے براہِ راست تعلق، اس حد تک کہ ہر امر میں خلفائے فاطمین کی منظوری حاصل کریں، اس امر پر گواہ ہیں۔ ۵؎ خلفائے فاطمین کو دیگر اہلِ تشیع کی طرح عزاداری سے بے حد انہماک تھا۔ پھر اسماعیلیوں کی تبلیغی کوششیں جو عشرہ محرم کے دوران اپنے مواعظ میں امام حسینؑ اور ان کے اعوان و انصار کے ایثار و قربانی کے واقعات لازمی طور پر بیان کرتے ہوں گے۔ ۶؎ افسوس ہے کہ ان حقائق کی جانب مورخین کرام نے توجہ نہیں فرمائی جس کی وجہ سے ہندوستان میں عزاداری کے ابتدائی نقوش دھندلا گئے اور ہند آریائی مشترکہ تہذیب و تمدن کے ان اہم مباحث پر وقت کی گرد پڑ گئی۔ البتہ عوامی مقبولیت کی بناپر بعض ابتدائی نقوش بکھرے ہوئے ملتے ہیں، جن کی

⇨

مقررہ وقت سے تقریباً ایک گھنٹہ زیادہ دیر تک محویت کے عالم میں تبرکات کے پاس مودب بیٹھے رہے۔ باہر انتظامیہ کے لوگ بدحواس تھے کہ صدر جمہوریہ باہر تشریف کیوں نہیں لائے۔

۱- کامل تاریخ، ج ۲، ص ۳۶-۳۵-۳۸۱

۲- سرحسان الحیدری: بلوچوں کی تاریخ، قبائل کے آئینہ میں، ج ۱، ص ۱۵۰

۳- منہاج سراج جوزجانی: طبقات ناصری

۴- محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ: تاریخ فرشتہ اردو، ج ۱، ص ۲۷

۵- مقدسی: احسن التقاسیم، لیڈن ۱۹۰۶ء، ص ۴۸۵

۶- محمد بن الحسن بن اسفندیار، تاریخ وابرستان Tr. E.G. Brown طبقات ناصری، ص ۹۰

روشنی میں عزاداری کی ابتدا کے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

ہندوستان میں عزاداری کے ابتدائی نقوش سرائیکی مراثی کی شکل میں محفوظ ہیں، جن کو سندھی و سرائیکی علاقوں میں قوم 'چارن' ترنم سے پیش کر کے لوگوں سے انعام واکرام حاصل کرتی ہے۔ ان میں ایک کبت میں قوم دت کے واقعہ کربلا کے حوالے سے کارنامے بیان کیے جاتے ہیں۔ ان کا زمانہ بکرماجیت کے عہد کے قریب یعنی ۶۸۱ء قرار دیا گیا ہے۔[۱] اب تک کی تلاش کے مطابق ہندوستان میں عزاداری کی یہ قدیم ترین منظوم علامت ہوسکتی ہے۔ ہندوستان میں عزاداری کا اولین راوی ملا منہاج الدین سراج جرجانی ہے جو اپنے بارے میں لکھتا ہے کہ وہ شعبان ۶۲۹ھ (مئی ۱۲۳۱ء) کو گوالیار پہنچا، جہاں سلطان شمس الدین التمش (م:۱۲۳۶ء) محاصرہ کیے ہوئے تھا۔ اس محاصرہ نے طول کھینچا۔ سلطان نے جرجانی کے فوجیوں کو مذہبی تبلیغ کے فرائض پر مامور کیا، جسے انہوں نے سات ماہ تک انجام دیا۔ اس طرح کہ پورے ماہ رمضان المبارک میں ہفتہ میں تین بار، ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں تک اور یکم محرم سے عشرہ محرم تک جرجانی ان تبلیغی مواعظ کو 'تذکیر' کہتا ہے۔[۲] واضح رہے کہ رمضان المبارک کی تذکیر کا موضوع بیان زہد نفس اور تقویٰ رہا ہوگا۔ ذی الحجہ میں حضرت ابراہیم کی قربانی بیان کی گئی ہوگی اور یکم محرم سے عشرے تک واقعات کربلا کے علاوہ کوئی دوسرا موضوع نہیں ہوسکتا۔ یہ موضوع فوجیوں میں جذبۂ ایثار وقربانی بیدار کرنے کے لیے سب سے زیادہ کارگر ثابت ہوا ہوگا۔ اس طرح سلاطین خلجی (۱۳۲۰-۱۲۹۰) کا ایک مصدقہ فرمان سادات بہرسر (بھرتپور) کے پاس محفوظ ہے جس کے ذریعہ موضع بہرسر عزاداری کے لیے وقف ہوا، بعد میں دیگر سلاطین تا عہد شاہ عالم ثانی ۱۷۵۹ تا ۱۸۰۶) تجدید فرمان کرتے رہے۔ اسی فرمان کی بنیاد پر ہندو راجگان بھرتپور بھی عزاداری کے لیے سادات کی دوامی معافی تسلیم کرتے رہے۔[۳] چودھویں صدی عیسوی کے سنی عالم دین ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی اپنے دور کے ان اکابرین میں سے تھے جنہیں عزاداری سے خصوصی دلچسپی تھی، جس کا ثبوت ان کی کتاب ہدایۃ السعدہ سے ملتا ہے، جس میں انہوں نے اپنی تائید کے ساتھ محرم کے مراسم عزا کا ذکر کیا ہے، جو اس زمانے میں رائج تھے۔ انہوں نے قبل کے دیگر ہندوستانی سنی علماء کی ان کتابوں کے حوالے بھی دیئے ہیں جو اب ناپید

۱- اختر وحید: درگوہر (ملتانی زبان کے قواعد اور فرہنگ)، ص ۹ ۲- طبقات ناصری، ص ۷۵-۱۷۴-۲۴۹
۳- عزاداری کی تاریخ، ص ۳۱

ہو چکے ہیں۔ لیکن انہوں نے تعزیے کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً اس وقت تک تعزیے کا رواج نہیں ہوا تھا۔ البتہ اتنی بات واضح ہو جاتی ہے کہ عزاداری پر شیعہ وسنی دونوں کو اتفاق تھا اور دونوں عزاداری کرتے تھے۔ اسی طرح سلطان محمد تغلق (م:۱۳۵۱ء) کے دورِ حکومت میں عزاداری کا ذکر اس دور کے مصنف استخوان دہلوی نے کیا ہے کہ محرم میں اعلانیہ عزاداری ہوتی تھی لیکن اس کی مزید تفصیلات درج نہیں کی ہیں۔[۱] ممکن ہے یہ عزاداری انعقاد مجالس تک محدود رہی ہو کیونکہ اس وقت تک جلوس کی صورت میں تبرکات عزا برآمد کرنے کا امکان نہیں ہے۔

شمالی ہند میں تبرکات عزاء کے طور پر علَم حسینی برآمد کرنے کا سلسلہ حضرت سید محمد اشرف جہانگیر سمنانی (م:۱۴۰۵ھ) سے شروع ہوتا ہے۔ انہوں نے پہلی بار محرم کے موقع پر علَم حسینی برآمد کیا اور اس کے زیرِ سایہ قیام کیا۔ ان کا دستور تھا کہ سبزوار کے طریقہ پر علم اور زنبیل تیار کرتے۔ زنبیل کے ساتھ صحیح النسب سادات اور متقی و پرہیزگار لوگوں کو اطراف و جوانب میں بھیجتے۔ بسا اوقات یہ ذمہ داری اپنے خلیفۂ ارشد حضرت شاہ سید علی قلندر کے سپرد کرتے۔[۲] حضرت شاہ سمنانی ۱۳۸۰ء میں ہندوستان تشریف لائے۔ اس طرح علم برآمد کرنے کا سلسلہ اسی کے گردوپیش شروع ہوا ہوگا۔ ان کے ملفوظات میں درج ہے[۳] کہ موصوف درمیانِ عشرۂ محرم اچھا لباس زیب تن نہیں کرتے تھے، کسی تقریب مسرت میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ آٹھویں اور دسویں محرم کے درمیان کی تاریخوں میں آرام ترک کر دیتے تھے۔ تیس برس تک، خواہ سفر میں ہوں یا حضر میں کبھی غمِ حسینؑ سے غافل نہیں ہوئے۔ ایک بار ایامِ عاشورہ میں ان کا قیام جون پور کی مسجد میں تھا، وہیں فرائض عزاء ادا کر رہے تھے، بعض علمائے اہلِ سنت زیارت علم اور ان سے ملاقات کی غرض سے مسجد میں حاضر ہوئے تو ان میں سے کسی مولانا محمود نے ان سے سوال کیا کہ یزید پر لعنت بھیجنے کے لیے کیا شرعی جواز ہے؟ حضرت شاہ سمنانی نے جواب دیا کہ اگرچہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے مگر یزید پر وہ اس بناء پر لعنت بھیجتے ہیں کہ ممتاز علمائے کرام، بزرگانِ دین، صوفیائے عظام صحابۂ رسولؐ اور ائمہ اہل بیت کی یہی سیرت رہی ہے۔ پھر حاضرین سے سوال کیا کہ اس دشمنِ دین اسلام پر لعنت بھیجنے میں کس کو اعتراض ہوسکتا ہے، جس نے جگر گوشۂ رسولؐ کو ذبح کر ڈالا، پھر نص قرآنی کے طور پر درج ذیل آیت کی تلاوت فرمائی:

۱- استخوان دہلوی: بساتین الانس ۲- لطائف اشرفی، ج ۲، ص ۲۶۸ ۳- ایضاً

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا۔[1]

''یقیناً جو لوگ خدا اور اس کے رسولؐ کو ستاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں خدا کی لعنت ہے اور خدا نے ان کے لیے رسوا کن عذاب مہیا کر رکھا ہے''۔

ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کے بانی سلطان المشائخ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (۵-۱۲۳۴) کی درج ذیل رباعی زبان زد خاص و عام ہے۔

شاہ است حسینؑ و پادشاہ است حسینؑ　　دین است حسینؑ و دین پناہ است حسینؑ
سرداد نداد دست در دست یزید　　حقّا کہ بنای لاالٰہ است حسینؑ

عصر حاضر کے بعض محققین، مذکورہ بالا رباعی کو ملا معین مسکین ہروی کی جانب منسوب کرتے ہیں لیکن اپنے قول کی صداقت میں معقول سند پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ صدیوں سے تواتر کے ساتھ اسے خواجہ اجمیری کی رباعی قرار دیا جاتا رہا ہے۔ تیس سال قبل راقم نے خواجہ اجمیری کے روضہ پر حاضری دی تھی اور زیارت کی تھی۔ اس وقت ایک واقف کار کے متوجہ کرنے پر اس رباعی کا کتبہ (جو بہت قدیم تھا) قبر کے داہنے سرہانے پر درج دیکھا تھا۔ قبر کا یہ حصہ غلاف سے ڈھکا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ روضہ کے باہری دروازے پر بھی یہ رباعی درج تھی، جو بعد کی تحریر معلوم ہوتی تھی۔ خواجہ اجمیری کو خواجہ سید ہجویری داتا گنج بخش سے خصوصی عقیدت تھی۔ موصوف کے مزار کی غلام گردش میں بھی یہ رباعی درج ہے۔ راقم نے دیکھا ہے۔ صوفیہ کو عزاداری سے خصوصی رغبت تھی، جس کے حوالے ان کے ملفوظات میں ملتے ہیں۔ لیکن عزاداری سے متعلق ان کے زیادہ تر احوال و آثار استبداد زمانہ کی نذر ہو چکے ہیں۔ سلسلۂ چشتیہ کے بلند پایہ بزرگ حضرت بندہ نواز گیسو دراز (م.....۱۴۴۲ء) کی محفل سماع میں عزائے حسینی کا ذکر ملتا ہے۔ یہ واقعہ ۱۰ محرم ۸۰۳ھ (مطابق ۳۱ اگست ۱۴۰۰ء) کا ہے۔ یعنی اس وقت تک موصوف دہلی میں قیام پذیر تھے۔ دکن تشریف نہیں لے گئے تھے۔ واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ روزِ عاشورہ حضرت خواجہ کے جماعت خانہ پر معتقدین بڑی تعداد میں یکجا ہوئے، قوال آئے اور ستار کے تاروں کو چھیڑنا شروع کیا، بعض مریدین موسیقی سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ حضرت خواجہ بندہ نواز نے ارشاد فرمایا: آج ہر شخص کو عاشورۂ محرم کی یاد منانا ہے۔ آج کی سماع حضرات حسینؑ کی یاد میں ہوگی اور لوگوں کو گریہ کرنا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ غم و الم کے مواقع

۱- سورہ احزاب، آیہ ۵۷

پر صوفیہ سماع کرتے ہیں۔ مریدوں کو مرشد کی تقلید کرنا چاہئے۔[۱]

شمالی ہند میں عزاداری کو شاہی سرپرستی حاصل نہ تھی البتہ اہل تشیع اور صوفیہ کی دلچسپی کی بناء پر عزاداری کو عوامی مقبولیت حاصل تھی۔ اہلِ تشیع اپنے مکانوں میں مجلس عزاء منعقد کرتے جس میں ان کے ہم عقیدہ اور دیگر مسلمان گریہ و زاری کرتے۔ صوفیہ کی خانقاہوں میں علم استادہ کرنے، محفل سماع میں غم انگیز کلام سننے، فاتحہ خوانی وغیرہ کا رواج تھا۔ مغلیہ دور حکومت میں ہمایوں کے عہد ثانی (۵۶-۱۵۵۵ء) سے عزاداری کو خصوصی فروغ حاصل ہوا، کیونکہ اس کی فوج میں شیعوں کی کثرت تھی جو عزاداری کو حرز جاں سمجھتے ہیں۔ خود ہمایوں نے ۹۵۶ھ (۱۵۵۱ء) میں اپنے یاروفادار بہرام خاں کو کربلائے معلیٰ بھیج کر ضریح بنوائی تھی جو قیمتی جواہرات سے تیار کی گئی تھی، جس کو شاہی محل میں استادہ کیا گیا تھا۔[۲]

اسی طرح دور اکبر اعظم (۱۶۰۵ء-۱۵۵۶ء) میں روضہ امام رضاء پر علم نذر کرنے کا ذکر ملتا ہے،[۳] اس دور میں مجالس عزا کو مبارک کہا جاتا تھا۔ بعد مجلس انگاروں پر ماتم بھی ہوتا۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے حیدر توتیائی کے تذکرے میں لکھا ہے۔

''واین مطلع او دارد کہ در تعزیہ حضرت امام شہید مقبول و مقتول فلذہ کہ رسول مقبول علیہ السلام نقش بستہ درایام عاشورہ درمبارک سیٹھ آنند۔ ماہ محرم آمد و شد گریہ فرض عین گریستن خون بیادلب تشنۂ امام حسین۔[۴]

اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ اس وقت تک شمالی ہند میں عزاداری کا رواج ہوچکا تھا، لیکن حیرت ہوتی ہے کہ عزاداری کے ذکر میں تمام مآثر شاہان مغلیہ خاموش ہیں، بابرنامہ ہی نہیں، توزک جہاں گیری میں بھی کوئی ذکر نہیں ملتا۔

عیسائی مبلغین اور سیاحوں کی ہرزہ سرائی

عزاداری سے متعلق پہلا بیان عیسائی مبلغ انٹولی مان سریٹ کا سفر نامہ ہے جو اپنے سہ رکنی مشن کے ہمراہ گوا سے روانہ ہوکر ۲۸ فروری ۱۵۸۰ء کو فتح پور سیکری پہنچا۔ ۱۵ فروری کو یسوعی مشن گوالیار کے

۱- جوامع الکلم، ص ۳۰۶ ۲- عزاداری کی تاریخ، ص ۳۴

3- A socio Intellectual History of Isna 'Ashari Shia's in India vol II, A 297

۴- عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، لکھنؤ ص ۱۳۰

نزدیک نروار میں تھا، کہ وہیں اس نے محرم کا چاند دیکھا۔ اب اسی کی زبانی سنئے:

''ماہ فروری کی ۱۵ تاریخ کو یہ مشن اس جگہ (نروار) پہنچا، جب کہ مسلمانوں کا نو دنوں کا تیوہار شروع ہوا۔ اس موقع پر ہندوؤں کا ہولی تیوہار بھی پڑا۔ اول الذکر محمد کی بیٹی فاطمہ کے بیٹوں، اسن و اسین (حسن اور حسین) کے عزاء میں ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ اپنے جد کے دین کو قائم کرنا اور پھیلانا چاہتے تھے، لیکن ان پر عیسائیوں نے فتح حاصل کرلی۔ ان پر کافروں نے (جیسا کہ مسلمان ہمیں کہتے اور سمجھتے ہیں) بہت ظلم وستم ڈھاکر ننگے پاؤں جلتے ہوئے انگاروں پر چلنے پر مجبور کیا۔ اس بنا پر مسلمان نو دنوں تک فاقہ کرتے ہیں۔ صرف دال کھاتے ہیں اور ان میں بعض دنوں میں کچھ لوگ ایک بلند مقام سے اُسن اور اُسین کے دکھ کی کہانی کھل کر بیان کرتے ہیں اور ان کے بیانات کا مجمع پر زبردست اثر ہوتا ہے کہ سب اشک بار ہو اٹھتے ہیں۔ تیوہار کے آخری دن میں چتا بناتے ہیں اور ایک کے بعد ایک لوگ ان پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور آگ کے شعلوں کو اپنے پیروں سے کچل ڈالتے ہیں۔ اس درمیان ''اسن اُسین'' کی دل دوز صدائیں بلند کرتے رہتے ہیں''۔[1]

فادر مانسٹریٹ کے بیان میں صلیبی جنگلوں کی پیدا کردہ نفرتیں بے نقاب ہوگئی ہیں، اس میں کہا گیا ہے کہ امام حسنؑ و امام حسینؑ نے عیسائیوں سے جنگ کی تھی۔ اس نے کسی غیر معتبر ذریعہ سے معلومات حاصل کیں اور بغیر کسی زحمتِ تحقیق کے یقین کرلیا۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ نروار (گوالیار) میں شیعہ آبادی کا امکان نہیں ہے۔ اس جلوس عزاء میں تابوت غالباً شیعوں کے علاوہ کسی دوسرے فرقہ کے لوگوں نے برآمد کیا ہوگا جس کو بعد میں جلادیا گیا۔ شیعوں میں تبرکات عزاء کے جلانے کا رواج کسی دور میں نہیں رہا ہے۔ شیعہ انہیں دفن کرتے ہیں۔ محرم کے متعلق ایک دوسرا اہم بیان ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرانسسکو پلسرٹ کا ہے جو ۲۷-۱۶۲۰ء کے درمیان آگرہ میں رہا۔ اس نے آگرہ کے اطراف و جوانب میں عشرہ محرم دیکھا تھا اس کا بیان ملاحظہ ہو:

بہرحال جب ان (مسلمانوں) کو طاقت حاصل ہوگئی اور ان کے بازو جنگ کرنے کے لائق ہوئے تو انہوں نے اپنے مذہب کو طاقت کے ذریعہ پھیلانا شروع کیا اور ان کے خلاف جنگ شروع کردی جو ان کے عقائد کو نہیں مانتے تھے اور ایک کافر حکمراں راجہ بیکان ہار سے جنگ کرتے ہوئے حسن اور حسینؑ قتل ہوگئے۔ اس قتل کی یاد میں وہ (مسلمان) دس دنوں تک رات بھر چیختے رہتے ہیں۔

1- J.S. Hoyland and others (tr): the commentary of father Monserrate Oxford 1922, pp 74-5

مرد اپنی بیویوں سے الگ رہتے ہیں اور دن بھر فاقہ کرتے ہیں،عورتیں بین کرتی ہیں اور اظہارِ غم کرتی ہیں۔شہر کی عام شاہ راہ پر مرد دو تربتیں بناتے ہیں، جن کو خوب سجاتے ہیں، شام کو بے حد روشنیوں میں انہیں اٹھاتے ہیں۔ بے حد مجمع ہوتا ہے۔ وہ لوگ بہت زور و شور سے غم مناتے ہیں۔ اصل تقریب آخری رات کو ہوتی ہے جس کی خوفناکی سے احساس ہوتا ہے کہ قدرت نے دوبارہ فرعون کے دور میں لوٹا دیا ہے کہ تمام نوزائیدہ بچے ایک دن میں قتل کر دیئے گئے۔ یہ شور وشغف دن چڑھے تک رہتا ہے کہ تابوت دریا پر لائے جاتے ہیں۔ تابوت بردار دو گروہوں میں تقسیم ہوکر باہمی طور پر ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے ہیں اس وقت یہ حالت ہوتی ہے کہ ایک دوسرے کو قتل کر سکتے ہیں، گویا میدان جنگ میں دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہوں۔ پاگلوں کی طرح ننگی تلواریں لیے بھاگتے رہتے ہیں۔کوئی ہندو دوپہر سے قبل مکان کے باہر نہیں آ سکتا ورنہ جان کی خیر نہیں، کم از کم ہاتھ پیر ضرور توڑ دیئے جائیں گے۔ یہ فضا اس وقت تک رہتی ہے، جب تک ان تابوتوں کو دریا میں گرا نہیں دیتے۔ پھر وہیں نہا دھوکر باہر نکلتے ہیں اور اچھے کپڑے پہنتے ہیں''۔[1]

اس لغو بیانی سے قطع نظر کہ امام حسینؑ نے طاقت کے ذریعہ تبلیغ اسلام کی یا ایک کافر راجہ بیکان ہار سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے، اس سے اطراف آگرہ میں محرم کے جلوسوں کے بارے میں غلط بیانی کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عزاداری کے نام پر کس طرح درندگی کا مظاہرہ ہوتا تھا۔مسلمان حکمراں طبقہ کے فرد ہونے کی بنا پر اپنی طاقت کا اظہار کرتے تھے جس سے مقامی باشندے (ہندو) خوف و ہراس میں مبتلا ہوجاتے تھے۔تربتیں لے جانے کے بیان سے یہ صحیح اندازہ کرنا دشوار ہے کہ تابوت برآمد کیے جاتے تھے یا تعزیئے بنائے جاتے تھے۔لیکن تعزے بنانے کا امکان زیادہ ہے کیونکہ ان کو آراستہ کرنے کا ذکر ہے۔ اس طرح کے جلوسوں کی نوعیت پر نظر رکھی جائے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ جلوس ہائے عزاء دیگر عقائد کے مسلمان برآمد کرتے ہوں گے۔شیعوں کی شمولیت کا امکان نظر نہیں آتا۔ اس وقت تک ہندوؤں میں عزاداری کا رواج نہیں ہوا تھا اس لیے ان کی شمولیت کا بھی امکان نہیں ہے۔ شمالی ہند کی عزاداری کا ذکر بخارا کے ایک سیاح محمد بن امیر ولی نے بھی کیا ہے جو ۱۰۴۵ھ (۳۶-۱۶۳۵ء) میں لاہور وارد ہوا، اس کا بیان ہے کہ سنی عقائد کے مسلمان عوامی سطح پر عزاداری کرتے تھے، اور اہلِ تشیع اپنے ذاتی مکانوں میں فرائض عزاداری ادا کرتے تھے۔ سنیوں کی

1- W.H. Mozeland & P Geyl (tr) Jalangir's India pp 74-5 New Delhi 1972

عزاداری کے متعلق اس کا بیان ملاحظہ ہو:

''تمام سلاطین اور امراء و رؤسا دو طرح کی تختیاں تیار کرتے ، ایک میں اماموں کی خوبصورت شبیہیں ہوتیں ،دوسری طرح کی تختیوں پر ابن ملجم کی قبیح شکلیں بنائی جاتیں۔ محرم کے ابتدائی پانچ دنوں کو اماموں کی پرمسرت زندگی کی علامت کے طور پر منایا جاتا، جن میں شادیاں ہوتیں اور شادیانے بجتے۔ دکانوں اور مکانوں کو بے حد آراستہ کیا جاتا،قوال، سازندے اور رقاصائیں کمالِ فن کا اظہار کرتیں۔ چھٹی محرم سے وہی موسیقار ماتمی نغمے پیش کرنے لگتے اور سیاہ پوش ہوجاتے۔ اپنی اپنی تختیوں کے ساتھ جلوس نکالتے ، ماتمی نغمے پیش کرتے اور اماموں کے دشمنوں پر سب وشتم کرتے۔ دسویں محرم کو شیعہ اور ہندو اپنی دکانوں اور مکانوں میں تالے ڈال دیتے اور کہیں محفوظ مقام پر روپوش ہوجاتے۔ اس کے بعد تختیوں والے نخاس (مویشی بازار) پہنچتے، جہاں اپنی اپنی تختیوں کے اعتبار سے دو گروہوں میں تقسیم ہوکے مجمع میں شامل ہوجاتے۔ دونوں گروہ ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوجاتے اور ایک دوسرے پر گھونسوں کی بارش کرنے لگتے، اس کے نتیجہ میں کافی جانی و مالی نقصان ہوتا ہے۔ سیاح کے قیام لاہور کے دوران محرم میں پچاس شیعہ اور پچیس ہندو تختیوں کی جنگ کے شکار ہوئے اور ایک لاکھ بیس ہزار روپے کی املاک کا نقصان ہوا''۔ [1]

شیعوں اور ہندوؤں کے روپوش ہوجانے کے بعد بھی اتنے بھاری جانی و مالی نقصان سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ان میں بعضے پکڑ لئے جاتے ہونگے اور تختیوں والوں کے شکار بنتے ہونگے۔ ان جلوس ہائے محرم کو عزاداری کی بجائے ملک کے فاتحین اپنے مفتوحین پر قوت و استقامت کے اظہار کا ذریعہ سمجھتے تھے اور اپنے بے محابہ جوش میں اپنے برادران ایمانی کا خون کرنے سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ حالات مزید بدتر ہوئے اور بعد کے ادوار میں محرم کے جلوس مسلمانوں کے مختلف گروہوں کی باہمی کشمکش اور رشک وحسد کے اظہار کا ذریعہ بن گئے۔ ایک دوسرے کے دشمن مسلمان محرم کے موقع پر اپنا اپنا حساب بے باق کرنے لگے۔ محمد ہاشم خانی خاں نے برہان پور کے مشہور جلوس میں تابوت کی تفصیلات درج کی ہیں کہ کس طرح شر پسندوں نے جلوس محرم کے نام پر اپنی اپنی ذاتی دشمنی نپٹانے کی کوشش کی۔ ملاحظہ ہو یہ بیان:

''برہان پور میں احدی پورہ اور خرخی پورہ کے باشندوں میں پرانی رقابت اور جانی دشمنی تھی۔

۱۔ بحرالاسرار فی مناقب الاخیار

سالانہ جلوس پر احدی پورہ والوں کا قبضہ تھا۔ دو سو اسلحہ بند جنگ جو اور بڑی تعداد میں بندوقچی احدی پورہ کے جلوس میں شامل ہوئے ایک رات خرخی پورہ کا جلوسِ تابوت احدی پورہ کے سامنے آ گیا۔ خرخی پورہ کے لوگوں نے راستہ چھوڑ دیا تا کہ تصادم ٹل جائے لیکن احدی پورہ کے فسادی و جنگ جو اپنی کثرت تعداد پر نازاں تھے، انہوں نے راستہ روک دیا۔ جامع مسجد کے قریب دونوں کے درمیان جنگ ہوئی۔ جلوس کے عام شرکاء کی بہت بڑی تعداد خرخی پورہ والوں کی امداد کے لیے ٹوٹ پڑی۔ ان کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ لوگ مکانوں کے دروازوں اور چھتوں پر چڑھ گئے۔ احدی پورہ والوں میں پچاس سے زیادہ افراد ہلاک ہوئے اور تقریباً سو افراد زخمی ہوئے۔ احدی پورہ کے تابوت اور علم پر آراستہ تقریباً پچاس ہزار روپے کے لعل و جواہر ضائع ہوگئے''۔[۱]

اورنگ زیب کا تعزیری حکم

برہان پور کے ان فسادات کا قضیہ بادشاہ اورنگ زیب (م: ۱۷۰۷ء) کے سامنے پیش ہوا تو اس نے تعزیہ داروں کے حق میں فیصلہ دیا۔[۲] لیکن جلوس عزاء میں یہ فسادات محض برہان پور یا کسی مخصوص علاقہ تک محدود نہ تھے، بلکہ عزاداری کو عذر بنا کر فریقین ذاتی دشمنیاں نکالتے رہتے۔ ان حالات سے مجبور ہوکر اورنگ زیب نے اپنے جلوس کے بارہویں سال (۱۶۶۹ء) میں عزاداری پر پابندی عائد کردی، جس کی بنا پر اورنگ زیب کو مطعون کیا جاتا ہے لیکن ازروئے انصاف دیکھا جائے تو اورنگ زیب کے بجائے عزاداری پر پابندی کے ذمہ دار وہ لوگ نظر آئیں گے جو عزاداری کے پردے میں ذاتی دشمنیاں نکالتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ دیگر خوش عقیدہ مسلمانوں کی طرح اورنگ زیب بھی اہلِ بیتؑ اطہار اور خصوصاً امام حسینؑ کا عقیدت مند تھا۔ عظیم متبرک پارچہ قصابہ حضرت فاطمہ زہرا(س) سے متعلق اورنگ زیب کے فرمان کا ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے۔ اس کے 'وصایا دروقت آخر' کے ان الفاظ سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ ''ایں عاصی غرق معاصی راتلخیف وتشریف تربت مطہرہ مقدسہ حسینیہ علیہ السلام نمایندہ کہ مفرقان بخار عصیاں رابغیر التجابان درگاہ رحمت غفران پناہ نیست''۔[۳]

عزاداری سے متعلق ایک واقعہ خود اورنگ زیب کے بارے میں یہ ہے کہ اس نے روز عاشورہ ایک ضعیفہ کو دیکھا کہ اپنے سر پر تعزیہ رکھے قلعہ کی جانب جارہی ہے۔ اسے دیکھتے ہی اورنگ زیب پر

۲۶۔ محمد ہاشم خافی خان: منتخب اللباب، ج ۲، ص ۲۱۳-۲۱۴ ۲- ایضاً ۳- بنی احمد سندیلوی، وقائع عالم گیری (پنوان وصایا در وقت آخر) علی گڑھ، ۱۹۳۰

جذب و استغراق کی کیفیت طاری ہوگئی۔ وہ سروپا برہنہ ضعیفہ کے پیچھے دوڑا اور تعزیہ کو اس سے لے کر اپنے سر پر رکھ لیا اور اس طرح قلعہ آگرہ تک آیا اور ہر سال تعزیہ برآمد کرنے لگا۔[1] اورنگ زیب کے اسباب ولوازم عزاداری قلعہ آگرہ میں ہنوز محفوظ ہیں۔ آج بھی ایک تعزیہ قلعہ آگرہ سے برآمد کیا جاتا ہے اور شہر آگرہ میں گشت کرتا ہے۔[2]

اورنگ زیب کی طرف سے جلوس عزا پر پابندی عائد کیے جانے پر اس کے دربار کے شیعی امراء نے کسی طرح کے ردعمل کا اظہار نہیں کیا جس پر Travernier نے اظہار حیرت کیا ہے کہ اورنگ زیب کے دربار میں اہلِ ایران کا مجمع تھا لیکن پابندی کس طرح عاید ہوسکی۔[3] شیعی امراء کے ردعمل ظاہر نہ کرنے کا سبب واضح ہے کہ اورنگ زیب نے اپنے قیام دکن سے وفات تک کسی شیعی امیر پر عزاداری کرنے کی بناء پر کوئی تعزیری کارروائی نہیں کی۔ اہلِ تشیع اور صوفیہ اپنے اپنے طور پر عزاداری کرتے رہے، ان کے خلاف کوئی تعزیری کارروائی نہیں کی گئی، حتیٰ کہ دہلی میں شاہ مردان، کو شیعی مرکز کی حیثیت حاصل تھی، جہاں بڑے ذوق وشوق سے عزاداری ہوتی تھی۔ بعد میں شاہ مردان کو مہابت خاں نے اپنے مدفن کے لیے منتخب کیا تو اسے مذہبی اہمیت کے پہلو بہ پہلو سیاسی اہمیت بھی حاصل ہوئی۔ ۱۷ویں صدی کے اواخر تک درگاہ پنجہ شریف کی عام شہرت ہوئی۔ شاہ مردان میں حضرت علیؑ کے قدم مبارک کا نقش رکھا گیا اور پنجہ شریف میں دست مبارک کا نقش۔ انہیں رفتہ رفتہ زیارت گاہوں کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ وفات اورنگ زیب تک دہلی میں عزاداری کے لیے شاہ مردان اور پنجہ شریف مرکز بن گئے۔ وہیں تعزیے دفن کیے جاتے۔ اہلِ تشیع کا قبرستان بھی قرار پایا۔ اورنگ زیب کا جانشین محمد معظم الملقب بہ شاہ عالم بہادر شاہ اول (م:۱۷۱۲ء) شیعی عقائد کا حامل تھا اور اس میں شدت رکھتا تھا۔ حتیٰ کہ اس نے حکم جاری کیا تھا کہ خطبہ میں علیاً ولی اللہ وصی رسول اللہ کے الفاظ اضافہ کئے جائیں۔ اس نے عزاداری میں خصوصی دلچسپی لی اور اس کے عوامی مقبولیت حاصل کرنے میں تعاون کیا۔[4]

۱۸ویں صدی کے اواخر میں مغلیہ سلطنت کمزور پڑ گئی تو شیعہ مخالف طاقتوں میں دم خم باقی نہ رہا۔ عزاداری پر پابندی ختم ہوگئی۔ بادشاہ محمد شاہ کے دور حکومت (۱۷۱۹-۴۶ء) میں شیعیت کی خصوصی

۱- سنیل چند: تاریخ عالم گیری، ص ۴۳ ۔ ۲- تاریخ عزاداری، ص ۳۲ ۔ 3- Traerneer's Travel Vol.II p. 177

۴- منتخب اللباب، ج ۲ ص ۲۰۳

ترقی ہوئی۔ اس کی ملکہ بیگم صاحبہ کو اہلِ بیت اطہارؑ سے خصوصی عقیدت تھی۔ اس کے جانشین احمد شاہ (۵۴-۱۷۴۸ء) کے دورِ حکومت میں شیعی عقائد اور خصوصاً عزاداری کو مقبول کرنے میں جاوید خاں نواب بہادر کا ذکر ضروری ہے، جو شاہی محل کے مدارالمہام تھے۔ ان کی کوششوں سے بادشاہ اور اس کی ماں اودھم بائی دونوں درگاہ شاہ مرداں سے جذباتی طور پر وابستہ ہوگئے۔ لیکن عالم گیر ثانی (۶۰-۱۷۴۰ء) اپنی تمام تر بزدلی اور ناکارہ پن کے باوجود عزاداری کو ممنوع قرار دینے کا مرتکب ہوا۔ بہادر شاہ اول کے دور آخر تک شاہی پابندیاں ایک بار پھر ختم ہوگئیں۔ قندھار سے محمد شاہ اول کی بیوہ ملکہ صاحبہ کی واپسی کے بعد قلعہ معلیٰ اور دارالسلطنت دہلی میں عزاداری کو اتنی غیر معمولی ترقی ہوئی کہ شاہ عالم کو مداخلت کرنا پڑی۔ اس کو خطرہ محسوس ہوا کہ شاہزادے اور دیگر افرادِ محل شاہی اپنا آبائی مذہب ترک کرکے شیعیت نہ اختیار کرلیں۔ کیونکہ محرم کے موقع پر صرف ایک دن (۲۸ اکتوبر ۱۷۹۳) کو ۲۰ شہزادے اور اور دیگر افرادِ محل شاہی اور سات سو ساٹھ زن وشو نواب صاحب کے محل میں زیارت تعزیہ کے لیے گئے۔ اس کے پیوستہ سال میں تعزیوں کی تعداد صرف پانچ یا چھ تھی جو بڑھ کر سو تعزیئے اور پچاس منبر ہوگئی۔ ۱۴ مئی ۱۸۰۱ء کو بادشاہ نے مرزا اکبر شاہ کو ایک سو پچیس روپے اور بیگمات کو سات سو روپے محرم کے اخراجات کے لیے ادا کیے۔[1] آخری مغل تاج دار مغلیہ بہادر شاہ ظفر کو امام حسینؑ اور دیگر اہل بیت اطہارؑ سے خصوصی عقیدت تھی۔ انہوں نے بڑے اہتمام سے لکھنؤ کی درگاہ حضرت عباس پر نذر گزاری تو بعضوں نے مشہور کردیا کہ بادشاہ شیعہ ہوگیا ہے۔[2] مخالفت کے خوف سے بادشاہ کو صفائی دینا پڑی۔ مولانا مناظر احسن گیلانی ایک چشم دید گواہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اکثر سلاطین (شاہی خاندان کے افراد) قلعہ میں تعزیہ داری کرتے تھے، صغیر پیک بنتے تھے۔ کوئی نشانچی، کوئی نقیب بنتا تھا، کوئی تاشہ، کوئی ڈھول کوئی جھانجھ تعزیوں کے آگے بجاتا تھا۔ کوئی مرثیے پڑھتا تھا۔ مرثیہ خوانوں کو درگاہ میں چار چار طشتریاں، چکنی ڈلی، بھنے ہوئے خربوزے کے بیج اور دھنیے کی ملا کرتی تھیں، بڑی دھوم سے علم اٹھاتے تھے۔ یہ حال تو مغل شہزادوں کا تھا، باقی خود بادشاہ سلامت..... فقیر بنتے، سبز کپڑے پہنتے، گلے میں سبز کفنی جھولی ڈالتے، ..... بادشاہ کے گلے

1-A socio- Intellectual History of India Ashsari shia's in India, Vol I, p 305

۲-عزاداری کی تاریخ ۴۲

میں زنجیریں ڈال کر سید کھینچتے تھے اور حضرت عباس علمدار کے سقے بنتے تھے۔ لال کھاروے کی ایک لنگی باندھے، شربت بھری ہوئی ایک مشک کندھے پر رکھ کر معصوموں کو شربت پلایا کرتے تھے۔ الغرض عشرہ محرم میں جو کچھ شیعوں کے یہاں ہوتا تھا، قلعہ کے سنی بادشاہوں کے یہاں بھی ہر ایک کی نقل ہوتی تھی۔[1]

۱- مناظر عاشق See original